تاریخی حقائق

(از مولانا محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی دار العلوم دیوبند)

اس وقت میرے سامنے حضرت سید گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "ہزار سال پہلے" ہے، اس کتاب کے پڑھنے وقت بعض تاریخی حقائق پر نشان لگاتا گیا تھا، آج انہی واقعات میں سے چند حاضر خدمت ہیں، (ظفیر صدیقی)

ابن حوقل کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہزار سال پہلے مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود، کس خودداری کے ساتھ رہتے تھے، اور اپنے اعمال واخلاق کی وجہ سے حکمراں طبقے پر کیسے چھائے ہوئے تھے،

بلھرا کے علاقہ میں تھوڑے سے مسلمان بھی آباد تھے، مگر ان کے کردار کا اثر یہ تھا،

"ان مسلمانوں پر بلہرا کی طرف سے اس زمانہ میں وہی آدمی حاکم ہو سکتا تھا جو مسلمان ہو" [1]

اور یہ کوئی بلہرا ہی کی خصوصیت نہ تھی، ابن حوقل نے لکھا ہے

"اور یہی حال ... میں نے بہت سے ان ممالک میں پایا جن پر کفر کا غلبہ ہے، مثلاً خزانہ، سریر، لان، غانہ کوغو وغیرہ" [2]

مسلمان جب تک مسلمان تھے تو ان کا یہی حال تھا، جہاں رہے مسلمان بن کر رہے، قوانین اسلام ہر جگہ برقرار رکھا، مگر آہ اب تو مسلمان، نام کے مسلمان بنتے جا رہے ہیں، پھر اسی اعتبار سے کمزوری، بزدلی اور مرعوبیت کے شکار ہوتے جا رہے ہیں۔

ایک دن وہ بھی تھا کہ غیر اسلامی حکومتوں کے علاقوں میں آباد تھے مگر وقار اور دینی جاہ وجلال کا حال یہ تھا کہ۔

"مسلمان ان تمام علاقوں میں کسی حکم اور فیصلہ کو اس وقت تک تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے جب تک ان پر خود مسلمان ہی حاکم نہ ہو، ان پر حدود، اور سزاؤں کے نفاذ کا یا ان پر شہادت اور گواہی دلانے کا حق مسلمانوں کے سوا کسی دوسرے کو نہیں ہے، خواہ اس علاقے میں مسلمانوں کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو" [3]

دیکھ رہے ہیں انتہائی اقلیت میں ہیں، گنے چنے افراد ہیں مگر حال کیا ہے ؟ کہ اپنے مذہبی م

---

[1] ہزار سال پہلے ص۱۱ حوالہ ابن حوقل ص۲۲۷ [2] ایضاً ص۱۱ [3] ایضاً حوالہ ابن حوقل ص۲۲۹

دوسرے کی حکمرانی قبول نہیں کر رہے ہیں، اور ان کے خلوص اور ان کے اعمال و اخلاق کا یہ عالم ہے کہ حکمراں طبقہ بھی ان کے اس مطالبہ کو ماننے پر مجبور ہے۔

کیا ہندوستان کے ساڑھے چار کروڑ مسلمانوں کے لئے اس میں کوئی سبق نہیں ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر اپنی آزاد حکومت سے اپنے اس حق کا مطالبہ کرنا چاہئے، غریق رحمت کرے اللہ تعالیٰ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جن کو اپنی زندگی بھر اسی کی دھن رہی، کاش وہ زندہ ہوتے، تو اس آزاد بھارت میں مسلمانوں کے پرسنل لا کا یہ حشر نہ ہوتا،

ابن حوقل نے یہ بھی لکھا ہے

"بلھرا کے علاقہ میں مسلمانوں کی مسجدیں بھی ہیں، جن میں جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے، اور دوسری نمازیں بھی پڑھی جاتی ہیں، نماز کے لئے میناروں پر اذان بھی ہوتی ہے اور تکبیر و تحلیل اعلان کے ساتھ ادا کی جاتی ہے"[1]

اللہ اکبر اسلامی کردار کا یہ عالم تھا، دینی معاملہ میں مداہنت کا نام و نشان تک نہ تھا، اب تو مسلمانوں میں مداہنت کا مرض پھیل پڑا ہے، تو وہ اذان ہی کو غنیمت سمجھتے ہیں، اور اسی آزاد بھارت میں سیکڑوں دیہات ایسے ہیں، جہاں برادران وطن اذان پر بھی ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔

عجائب الہند کے مصنف ابن شہریار نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے افسر کا نام "ہزمن" ہوا کرتا تھا اور اسے قاضی کی حیثیت حاصل تھی، اس عہدہ پر مسلمان کے سوا کوئی دوسرا بجال کسی حال میں نہیں ہو سکتا تھا، اور ساتھ یہ بھی لکھا ہے

"ہندوستانی قوانین کی رو سے کسی جرم کی خواہ کچھ بھی سزا مقرر ہو، لیکن مسلمان جب اس جرم کے مرتکب ہوتے تھے تو ان کو "ہزمن" (قاضی) کے سپرد کر دیا جاتا تھا، تاکہ اسلامی قوانین کی رو سے ان پر حکم لگائے"[2]

اس کو نقل کر کے خود سید گیلانی تحریر فرماتے ہیں

"کیا زمانہ کا انقلاب ہے کہ جس زمانہ میں مسلمان ہندوستان میں انگلیوں پر بھی بشکل گنے جا سکتے تھے، اس وقت تو انہوں نے اس ملک میں یہ اختیار اور اقتدار حاصل کر لیا تھا کہ مسلمانوں پر مسلمانوں ہی کی حکومت قائم ہوگی، اور

---

[1] ایضاً ص ۱۳ [2] ایضاً ص ۱۴ بحوالہ عجائب الہند ص ۱۶۱

مسلمانوں پر ان کے دین ہی کا قانون نافذ ہوگا، لیکن آج جب ان کی تعداد اسی ملک میں کروڑوں سے بھی متجاوز ہو چکی ہے اس مسئلہ کے خیال کو بھی اپنے دماغ میں لانے کی جرأت نہیں کر سکتے، دوسروں سے منوانا تو دور کی بات ہے ... یہی طے ہونا مشکل ہے کہ اس قسم کے اختیارات کا مطالبہ حکومت کے سامنے مسلمانوں کو پیش کرنا بھی چاہیے یا نہیں"

مگر کیسے عرض کروں کہ یہ سب نتیجہ تھا دینی غیرت وحمیت اور اسلامی اخوت ومحبت کا، ان میں کا ایک ایک فرد اخلاق واعمال کا مجسمہ اور خلوص ووفا کا پیکر تھا، جن کو دیکھ کر فرشتے بھی شرما جاتے تھے اس سلسلہ میں خود ابن حوقل کی چشم دید گواہی ملاحظہ فرمائیے، وہ لکھتا ہے

"ان ہی علاقوں میں سے بعض علاقوں میں ایسے مسلمانوں سے بھی میری ملاقات ہوئی ہے، جن کی پارسائی اور اخلاقی برتری کا یہ حال ہے کہ اپنے مقدمات میں غیر مسلم طبقات کے افراد بھی عموماً ان کو اپنا گواہ مقرر کر کے حکومت کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور مقدمہ کا فریق ثانی بھی عموماً ان کی شہادت کے ساتھ اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے، کبھی کسی خاص گواہ کی گواہی پر فریق ثانی کو اگر اعتراض بھی ہوتا ہے، تو اس کی جگہ گواہی میں پھر مسلمان ہی کو پیش کر دیا جاتا ہے اور اسی کے بیان پر مقدمہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے"[1]

کاش مسلمان اپنے ان کھوئے ہوئے اخلاق واعمال کو بروئے کار لاتے اور پھر صحابۂ کرام کے نقشِ قدم پر مٹنے کا جذبہ پیدا کر لیتے، جو ہمارے اسلاف کا طریقہ تھا،

خدا گواہ ہے کہ آج بھی اگر مسلمان پکا مسلمان بن جاتے تو دنیا ان کے قدم پر سر جھکا دے، یہ غلط ہے آج حالات سازگار نہیں ہیں، سب کچھ ہے، آہ مسلمان ہی، وہ مسلمان باقی نہ رہے جیسا ان کو رہنا چاہیے تھا، خدا بھلا کرے ان مسلمانوں کا، جنھوں نے یہ پروپیگنڈا کیا کہ انگریزوں سے لڑنے کے لئے انگریز بننا ضروری ہے اور ہندؤں سے حقوق حاصل کرنے کے لئے ہندو جیسا، مگر یہ نہ سوچا کہ مسلمان کی تمام تر ترقی اسلام کی کامل پیروی ہی میں مضمر ہے۔

یہ دعویٰ نہیں حقیقت ہے کہ مسلمان اسی وقت باعظمت ہو سکتا ہے، جب وہ پکا سچا مسلمان بن جائے اسی لئے ہماری ہر آن دعا ہے۔

---

[1] ایضاً ص۱۵ بحوالہ ابن حوقل ص۲۲۳

بے لوث محبت ہو، بے باک صداقت ہو سینوں میں اُجالا کر، دل صورتِ مینا دے

عجائب الہند ہی کے حوالہ سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ کولم ملی میں ایک موذن تھا جو اذان دیا کرتا تھا، اس کے جھاڑ پھونک کے لوگ بڑے قائل تھے، ناگ سانپ کے زہر کے ازالہ میں، اس کو کمال حاصل تھا، شاید باید اس سلسلہ میں اس کا جھاڑ پھونک خطا کرتا ہو،

اس واقعہ کو پیش کر کے بتانا ہے کہ دیکھئے دیندار مسلمانوں سے غیروں کو بھی کس قدر سچی عقیدت تھی یہ تو خیر عوام کا حال تھا، لیکن سلیمان تاجر کا بیان ہے

"بلھرا کا راجہ اس ملک کا سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تمام راجگان ہند اس کے فضل و شرف کو مانتے ہیں اگرچہ ہندوستان کا ہر راجہ اپنے اپنے علاقہ کا مستقل حکمراں ہے، لیکن بلھرا کی سیادت سب ہی تسلیم کرتے ہیں"

مگر بایں ہمہ مسلمانوں سے اس خاندان کو کیسی عقیدت تھی، سلیمان کا بیان ہے

"بلھرا کی حکومت والوں کا خیال ہے کہ ان کی حکومت کی مدت اور ان کی عمر کی درازی کا سبب یہ ہے کہ عرب یعنی مسلمانوں سے وہ محبت کرتے ہیں"[1]

آپ نے سنا، یہ تھی عقیدت مسلمانوں سے، حکمراں طبقہ کو، سوچئے کیا یہ عقیدت کسی دنیاوی جاہ و جلال کی وجہ سے تھی؟ نہیں محض اس وجہ سے کہ اُس وقت کے مسلمان، مسلمان تھے، نام کے مسلمان نہیں تھے، جس پر نگاہ ڈال دی، مالا مال ہو گیا، ان کے اعمال و اخلاق پاکیزہ تھے، کردار بلند تھے، اور خدا سے ہر وقت لرزہ براندام رہا کرتے تھے۔

اس مادی دنیا میں ایمان داروں کی بڑی کمی ہے اگر آج بھی مسلمان، صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں تو آپ یقین کریں، باوجود محکوم اور اقلیت میں ہونے کے ساری دنیا پر بھاری ہو جائیں۔

سلیمان تاجر نے چین کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے

"شہر خانفو چین کے مسلمان تاجروں کا مرکزی مقام تھا، یہاں کبھی چین کے بادشاہ نے مسلمانوں پر حکومت اور ان کے متعلق فصل خصومات کے اختیارات کو ایک مسلمان ہی کے سپرد کر رکھا ہے، عید کے

---

[1] ہزار سال پہلے ص۶۱ بحوالہ سلیمان ص۶۷۔

دن مسلمانوں کو وہی نماز پڑھاتا ہے اور خطبہ پڑھتا ہے، اور مسلمانوں کے خلیفہ کے لئے دعا کرتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ اور اللہ کی کتاب کے مطابق، اور اسلامی قوانین کے مطابق وہ فیصلہ کرتا ہے اس پر کبھی کسی کو اعتراض نہیں ہے[1]"

حضرت سید گیلانیؒ اس واقعہ کو نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں اور آج کل کے مسلمانوں کو مخاطب کر کے

"جنھوں نے یورپ سے ریاست کا علم سیکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ریاست کا علم صرف ان ہی کی ذات قدسی صفات میں منحصر ہے، ان کو سننا چاہئے کہ وہی عید کی نماز اور جنازوں کی نماز پڑھانے والے، مسجد کے ملّانے، بے تیغ و تفنگ اقلیت کی انتہائی شکلوں میں بھی وہ سب کچھ حاصل کر لیتے تھے، جسے آج سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا"

بزرگ بن شہریار نے لکھا ہے کہ ان ملکوں کے بادشاہ کے سامنے بیٹھنے کے خاص آداب تھے، جن کی پابندی ہر ایک کو کرنی پڑتی تھی، خلاف ورزی کی صورت سزا کے مستوجب ٹھہرتے تھے، مگر مسلمانوں کو اس سلسلہ میں آزاد رکھا گیا تھا، خود ابن شہریار ہی کا بیان ہے

"اس وقت تک یہ دستور چلا آرہا ہے، کہ غیر مسلم راجگان کے سامنے مسلمان جس طرح چاہیں بیٹھ سکتے ہیں، لیکن مسلمانوں کے سوا دوسرے لوگ مذکورہ بالا قاعدے کے مطابق بیٹھنے پر مجبور رہیں، جس کا نام بریسلا ہے، نشست کے اس طریقہ کے خلاف راجہ کے سامنے اگر کوئی بیٹھنے کی جرأت کرے، تو اسے جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے[2]"

سچ ہے جو خدا کے احکام کی بجا آوری کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتا ہے، اس سے کسی اور کے قانون کی پابندی کا بوجھ اٹھا لیا جاتا ہے، آپ دیکھ رہے ہیں یہ ہیں وہ مسلمان جو اقلیت میں ہیں، کمزور ہیں، محکوم ہیں، مگر — الحمد للہ ذلیل نہیں، بے وقعت نہیں، اور کسی حکمراں طبقہ کی نگاہ میں کمتر نہیں۔

کاش آج کا مسلمان سوچتا کہ دنیا میں اس کی بے وقعتی کا سبب کیا ہے؟ یہ غلط ہے کہ مسلمان کمزور اور اقلیت میں ہیں، تاریخ شاہد ہے کہ باایں ہمہ یہ باوقار زندگی کے مالک رہے ہیں، دعا کی جائے

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل — اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے

یہ تو آپ نے محکوم مسلمانوں کے حالات ملاحظہ فرمائے، اب ذرا حاکموں کا حال بھی سن لیجئے کہ یہ کس حالت میں تھے، اور کس نظر سے دیکھے جاتے تھے، ابن حوقل نے آرمینیہ کے حالات لکھتے ہوئے

---

[1] ایضاً صہ ۱۹ بحوالہ السلیمان صہ ۱۳ [2] ہزار سال پہلے ص ۲۱

بیان کیا ہے

" اس علاقہ میں زیادہ تر عیسائی آباد ہیں، یہ وہ لوگ ہیں، جن میں بنی امیہ و بنی عباس والوں ہی کے زمانہ سے کچھ معاہدات ہو گئے ہیں، اور ان ہی معاہدات کی بنیاد پر یہ اپنے وطن پر قابض ہیں، البتہ معاہدات کی رو سے جو مطالبات ان کے ذمے عائد کئے گئے ہیں ادا کرتے ہیں"[1]

سب کچھ ہوتے کے باوجود معاہدہ کی خلاف ورزی کی جرأت کبھی نہیں ہوئی، بس جو مطالبات معاہدات میں مذکور تھے، وہ ملتے رہنا چاہئے، پھر ملک گیری کی کوئی معمولی حرص بھی نہیں ہوتی تھی، اور یہی نہیں ابن حوقل نے اپنا مشاہدہ لکھا ہے

" ۳۲۵ھ تک یہ میرا مشاہدہ ہے کہ ان سے جو معاہدہ کیا گیا ہے۔ اور جن جن باتوں کی ذمہ داری لی گئی ہے، ان کی پوری پوری پابندی کی جاتی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ مذکورہ بالا سن تک میں نے دیکھا کہ اس علاقہ کے غلاموں کو بغداد میں نہیں خریدا جاتا، اور نہ کوئی ان کی خریداری کو جائز سمجھتا ہے، جس کی وجہ یہی ہے کہ ان سے عقدِ ذمہ کا معاہدہ ہے"[2]

اسے کہتے ہیں معاہدہ کا پاس، اسی آئین دوستی کا نتیجہ تھا کہ ساری دنیا مسلمانوں پر اعتماد کرنے پر مجبور تھی، قوت مسلمانوں کو بہکایا نہیں کرتی تھی بلکہ آئینِ اسلام پر چلنے میں ممدو معاون ہوا کرتی تھی۔

ابن حوقل خراسانی مسلمانوں کے متعلق لکھتا ہے

" جہاد کرتے ہیں ان خراسانی مسلمانوں سے اپنی طاقت و قوت اور جوش کے لحاظ سے اسلامی ممالک میں کوئی ملک ان کے جوڑ کا نہیں ہے"[3]

یہ تھا جوشِ جہاد، اس زمانہ کے مسلمانوں میں، پھر اللہ تعالیٰ اس قوم کو عزت و وقار اور شان و شوکت سے کیوں نہیں نوازتا، قاعدہ ہے جس قوم میں جہاد کی ایسی اسپرٹ ہوگی، وہ عظمت و وقار سے زندگی گذارے گی۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک زمانہ ایسا آئے گا جب ساری

---

[1] ہزار سال پہلے ص ۲۷۸ [2] ایضاً ص ۲۷۰ بحوالہ ابن حوقل ص ۲۵۵

دنیا مسلمانوں پر اس طرح ٹوٹ پڑے گی، جس طرح کھانے والے کھاتے وقت گوشت کے پیالے پر ٹوٹ پڑتے ہیں، صحابۂ کرام نے پوچھا کیوں ایسا ہوگا یا رسول اللہ؟ کیا وہ تعداد میں بہت کم ہوجائینگے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، وہ نسبتاً تعداد میں بہت زیادہ ہوں گے، مگر ان میں دو مہلک مرض پیدا ہوجائیں گے، پوچھا گیا، وہ کیا؟ آپ نے فرمایا زندگی کے ساتھ ضرورت سے زیادہ محبت، اور موت سے ناگواری۔

شاید یہی زمانہ ہمارا یہ دور ہے، کہ مسلمان بااین ہمہ بزدل، دوں ہمت اور کم زور ہو رہے ہیں، جس کا حسرت ناک انجام یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ مسلمان کہیں بھی باعزت زندگی کا مالک نہیں رہا، دن رات اس کی ذلت و خواری کسی نہ کسی نہج سے بڑھتی جارہی ہے۔

خراسانی مسلمانوں کے ذوقِ حج کا تذکرہ کرتے ہوئے ابن حوقل رقمطراز ہے

"ان میں جن لوگوں کا حکومت سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے ان کا بھی حال یہ ہے کہ باوجود اتنی بُعد مسافت کے حج کا انتہائی ذوق ان لوگوں پر غالب ہے، صحراء کے قطع کرنے میں ان سے زیادہ جری کوئی نہیں[۱]"۔

ایک طرف جوشِ جہاد سے مسلح تھے، تو دوسری طرف ذوقِ حج کا یہ عالم تھا، کہ صحراء راستہ میں حائل ہیں، آج کی سی سہولت میسر نہیں، پیدل یا اونٹ وغیرہ پر سفر کرکے مکہ معظمہ پہنچ رہے ہیں، اور بیت اللہ کی زیارت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

اب یہ ذوق باقی کہاں رہا؟ جانے والے آج بھی جاتے ہیں، مگر دلوں میں وہ امنگ، وہ اخلاص و وفا جو چاہئے کہاں باقی ہے۔

ابن حوقل ہندوستان کے ساحلی علاقوں کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہے

"ان شہروں میں جامع مسجدیں پائی جاتی ہیں اور مسلمان اسلامی احکام کی پابندی علانیہ کرتے ہیں[۲]"۔

آگے شراب وغیرہ کا تذکرہ کرکے لکھتا ہے

---

[۱] ایضاً صفحہ ۲۷ [۲] ایضاً صفحہ ۲۴۳

"خدا کی قسم اس کو نہیں جانتا اور نہ اس کو دیکھا ہے اور نہ اس سے واقف ہوں کہ وہ ہے کیا چیز، اور اس کا مزہ کیسا ہے [1]"

یہ تھا شریعت پر عمل پیرا ہونے کا دینی جذبہ، کہ نہ عوام احکام کی پابندی سے بیگانہ ہیں نہ خواص، ابن حوقل جیسا سیاح قسم کھا کر کہتا ہے کہ شراب سے وہ قطعاً واقف نہیں،

اندازہ لگائیے اُس زمانہ کے مسلمانوں کی احکام کی پابندی کا کیا عالم تھا، اب شراب سرمایہ دار اور با اقتدار مسلمانوں کے لئے معزز زندگی کی حیثیت میں ہے، عموماً بڑا شاعر، بڑا عہدے دار، بڑا مالدار اور بڑا سیاح ان خرافات میں زندگی برباد کر رہا ہے، اِلّا ماشاء اللہ، ہاں غریب مسلمان اب بھی بحمد اللہ اس گناہ سے کسی نہ کسی طرح محفوظ ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ محفوظ رکھے۔

اب ایک سرسری نظر مسلمان حکومتوں کی صنعت وغیرہ پر بھی ڈال لیجئے، تاکہ اندازہ ہو جائے کہ ہزار سال پہلے مسلمان حکومتوں کی بیداری کا کیا حال تھا

کابل کا تذکرہ جہاں کیا، وہاں لکھتا ہے

"کابل سے بہترین سوتی کپڑے باہر بھیجے جاتے ہیں، منیات (ایک قسم کا کپڑا) بنتے ہیں چین بھی جاتے ہیں اور خراسان کی طرف بھی روانہ ہوتے ہیں، سندھ اور اس کے ملحقہ علاقوں میں بھی بھیجے جاتے ہیں [2]"

ملاحظہ فرمایا آج سے ہزار سال پہلے مسلمانوں کا کتنا اچھا حال تھا، کابل سے اونی نہیں سوتی کپڑوں کی غیر ملکوں میں سپلائی ہوتی تھی، آج ان ممالک اسلامیہ میں چلے جائیے اور کپڑوں کو اٹھا کر دیکھئے کہ ان کے بازاروں میں کیا ہوتا ہے تو کسی پر میڈ اِن مانچسٹر، اور کسی پر میڈ اِن لنکاشائر، لکھا ہوا نظر آئے گا، میڈ اِن کابل دیکھنے کو آنکھیں ترس جائیں گی، مگر نظر نہ آئے گا، پھر ہمارے اسلاف دنیا میں با اقتدار کیوں نہیں ہوتے، اور ہم ان کے مقابلے میں مصیبت زدوں کی صف میں کیوں نظر نہیں آئیں۔

اسی طرح ابن حوقل نے ایرانی شہروں میں سے ایک شہر بضنی کے متعلق لکھا ہے

"بضنی میں دبی پردے بنے جاتے ہیں، جو روئے زمین میں مشہور ہیں، ان پردوں پر لکھا ہوا ہوتا ہے "عمل بضنی" [3]"

---

[1] ایضاً سمانے ہزار سال پہلے ص ۲۶۱ بحوالہ ابن حوقل ص ۳۲۸ [3] ایضاً ص ۲۶۲ بحوالہ ص ۱۷۵

اسلامی ملکوں کے باب میں یہ شہادت ایک مسلمان سیاح کی ہے، اور وہ چشم دید گواہی جس میں شک و شبہ کی کہیں سے کوئی گنجائش نہیں رہتی ہے۔

کاش مسلمان اپنی گذشتہ تاریخ پڑھتے اور سوچتے کہ ہم کیا تھے کیا ہو گئے، پھر ایک نئے امنگ و ولولہ کے ساتھ اپنی پچھلی تاریخ دہرانے کی جدّ وجہد کرتے، ان کا کام محض عزم و ارادہ ہے، پورا کرنے والا خدا ہے، اور ارادہ کے بعد وہ پورا ضرور کرتا ہے۔

ممالک اسلامیہ میں جو کپڑے تیار ہوا کرتے تھے، وہ بہت مضبوط اور پائدار ہوا کرتے تھے۔ عدن، یمن اور ایران کے شہروں کی مصنوعات کا جہاں تذکرہ کیا ہے وہاں لکھا ہے

"شہروں میں ایسے کپڑے بنے جاتے تھے کہ ان کی بقا کی مدّت پانچ برس سے بیس برس تک ہوتی تھی"[۱]

اندازہ کیجئے کتنے پائدار اور مضبوط کپڑے تیار ہوا کرتے تھے، گویا گھٹیا درجہ کا کپڑا بھی کم از کم پانچ سال ضرور چلتا تھا۔

ویذاری کپڑا جو سمرقند سے چھ میل کی دوری پر ویذار نامی قصبہ میں تیار ہوتا تھا اور امیر، وزیر، قاضی، فوجی اور سارے دوسرے افراد شوق سے پہنا کرتے تھے، اس ویذاری کپڑے کے متعلق ابن حوقل نے اپنا ذاتی تجربہ لکھا ہے

"میں نے خود ایک سے زائد کپڑے اس کے پانچ پانچ سال تک استعمال کئے ہیں"

اب تو اتنے مضبوط کپڑے تیار بھی نہیں ہوتے، نمائشی تو ضرور ہوتے ہیں، مگر پائدار قطعاً نہیں ہوتے، یہی وجہ ہے کہ آدمی کا کپڑوں پر کافی صرفہ ہوتا ہے، ہر دوسرے تیسرے مہینے بچوں کے کپڑے بوسیدہ ہو کے بے کار ہو جاتے ہیں، کسی نے بڑی احتیاط برتی تو چھ آٹھ ماہ تک، لیکن پانچ سال اور ان میں جتنا تفاوت ہے ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے۔

مسلمانوں نے علم وفن کی جو قدر افزائی کی وہ انہی کا حصہ ہے جاحظ جو تیسری صدی ہجری کا ایک ادیب ہے خود اس کا بیان ہے

"میں نے کتاب الحیوان لکھ کر عبدالملک الزیات کی خدمت میں ہدیہ کی، تو اس کے صلہ میں پانچ ہزار اشرفیاں اس نے مجھے بھیجیں، پھر میں نے اپنی کتاب "البیان والتبیین" احمد بن ابی داؤد کے دربار میں پیش کی، اس نے بھی اسی وقت پانچ ہزار اشرفی سے میری ہمت افزائی کی، پھر کتاب الزرع والنخل لکھ کر

---

[۱] ایضاً ص۲۵۵ بحوالہ ص۲۲۳

میں نے ابراہیم بن عباس الصولی کے پاس بھیجی، جواب میں اس نے پانچ ہزار اشرفیاں روانہ کیں۔[۱]

یہ تھی علم نوازی، امراء اسلام کی، اور یہ تھی حوصلہ افزائی ارباب فضل و کمال کی، پھر علم و فن کو ترقی کیوں نصیب نہ ہوتی، ہوئی اور خوب ہوئی۔

ابن حوقل نے مسجدوں کے تذکرہ کے سلسلہ میں اس زمانہ کی علمی دل چسپی کا ذکر بھی کیا ہے۔ ہرات کی مسجدوں کا تذکرہ کرنے کے بعد رقم طراز ہے۔

"وجہ اس کی یہ ہے کہ ان مسجدوں میں ایک بڑا گروہ علماء اور فقہاء کا مقیم ہے اور جیسے شام یا مسلمانوں کی سرحدی چوکیوں کی مسجدوں کا حال ہے وہی حال ان کا بھی ہے یعنی ان علماء سے استفادہ کرنے والوں کی حالت یہ ہے کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔"[۲]

گویا مسجدوں سے دار العلوم کا کام بھی چلا کرتا تھا اور طلبہ کا ہجوم رہا کرتا ہے۔ انداز بیان شاہد ہے کہ مسلمانوں میں علم دوستی کا نشہ تھا۔

ہرات کی طرح بلخ شہر کی پہلے تعریف کرتا ہے، پھر اس شہر کی خوش نمائی کو بیان کرتا ہے اور اخیر میں لکھتا ہے۔

"اس شہر کے باشندوں پر عموماً علم و ادب کا ذوق غالب ہے غور و فکر اور دقیق علوم کے مسائل سے انھیں بڑی دل چسپی ہے، یہاں سے بڑے بڑے علماء اٹھے ہیں۔"[۳]

اب تو بجائے علم و فن کے کھیل تماشہ کا ذوق غالب ہوتا جا رہا ہے، سینما تھیٹر کی کثرت ہے کلب گھروں کی بہتات ہے، اور وہ تمام برائیاں جن سے اسلام نے سختی کے ساتھ روکا ہے لوگوں میں پیدا ہوتی جا رہی ہیں، اور حیرت یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اس تنزل پر ذرہ برابر افسوس بھی نہیں۔

حکومت گئی، شان و شوکت گئی، دینی وقار گیا، اور حد یہ ہے کہ علم و فن کی محبت بھی جا رہی ہے، ایک سیلاب آیا اور مسلمانوں کی یہ ساری چیزیں اس کی رو میں بہہ گئیں، اور بہتی جا رہی ہیں، یہاں پہنچ کر علامہ اقبال کا وہ شعر یاد آ رہا ہے، جو انہوں نے نوجوانان مسلم کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے، اس کے اخیر میں فرماتے ہیں

حکومت کا کیا رونا کہ وہ اک عارضی شئی تھی — نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی — جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا
غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشہ کن — کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

ابن حوقل جس دور کا تذکرہ کر رہا ہے، اس دور میں مسلمانوں کے بچہ بچہ میں علمی ذوق موجزن تھا، مزدور اور قلی چلتے پھرتے علمی مسائل پر گفتگو کرتے نظر آتے تھے، خود اسی کا اپنا بیان ہے کہ خوزستان کے شہروں میں

---

[۱] ہزار سال پہلے صـ ۲۳ [۲] ایضاً صـ ۲۳۷ بحوالہ ابن حوقل صـ ۳۲۵ [۳] ایضاً صـ ۲۲۶ بحوالہ ابن حوقل صـ ۳۳۶

یہ نظارہ اس کی آنکھوں نے دیکھا

"میں نے ایک حمال (قلی) کو گذرتے ہوئے دیکھا کہ اس کے سر پر ... بھاری بوجھ لدا ہوا تھا اور ایک دوسرا حمال بھی اسی کے رخ تو ساتھ جا رہا تھا، اور دونوں "التاویل" (قرآنی آیات کی تفسیر) اور علم کلام کے حقائق و مسائل جھگڑتے جا رہے تھے، ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ان دونوں پر جو بوجھ لدے ہوتے تھے اپنے خیالات کے مقابلہ میں ان کی کوئی پرواہ ان کو نہیں ہے[1]"

ملاحظہ فرمایا، ایک دور وہ تھا، کہ قلی تک علمی مسائل وحقائق پر چلتے ہوئے مباحثہ کرتے نظر آرہے تھے اور ایک یہ ہمارا دور ہے کہ علماء تک کو علمی مسائل سے طبعی ذوق نہیں ہے، یوں فرائض کی حد تک پڑھتے پڑھاتے ہیں، مگر درسگاہ سے باہر کی دنیا میں کہیں سے یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہی وہ حضرات ہیں جن کو معلمین کا درجہ حاصل ہے جہاں دیکھئے شکوہ، غیبت، چغلخوری، حسد اور بغض وکینہ کی گفتگو جاری ہے، بڑا کمال دیکھنے میں آئے گا تو یہ کہ اخباری خبروں پر تبصرہ ہو رہا ہے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

جہاں اکابر کا یہ حال ہو، اصاغر کو کون پوچھتا ہے، الناس علیٰ دین ملوکھم طلبہ بھی ذوقِ علم سے قطعاً محروم نظر آئیں گے۔

اسلاف بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھ گئے، آج کوئی ان کا پڑھنے والا نہیں ہے، جہاں کتابیں ہیں کیڑوں کی نذر ہو رہی ہیں، علماء کرام کا بڑا عیب یہ ہے کہ با ایں ہمہ بے ذوقی ہر ایک اپنی جگہ پر یقین کئے بیٹھا ہے کہ مجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں اور یہی وجہ ہے کہ کوئی عالم کسی عالم کی عزت کرنے کو ایک لمحہ کے لئے آمادہ نہیں۔

آہ کس طرح عرض کروں کہ علم وفن سے اس بے رغبتی پر دل کس قدر دکھتا ہے، مگر اس سے ہوتا کیا ہے۔ کاش اہلِ علم اور اربابِ فضل وکمال خواب سے چونکتے اور اپنے فرائض کا احساس پیدا کرتے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سب سے نکمے ہیں، نہیں اپنے دوسرے طبقہ سے بہرحال غنیمت ہیں، مگر بیداری کی ضرورت ہے اور جو بیدار ہیں ان میں چستی کا انتظار ہے۔

"مسلمانوں نے رفاہِ عام کے کاموں کی طرف بھی کافی توجہ دی، بلکہ کہنا چاہئے، جس دور کی باتیں ہو رہی ہیں اس دور میں مسلمان ان کاموں کو اپنا پہلا فریضہ سمجھتے تھے، ذاتی کاموں سے زیادہ ان کو رفاہ عام کے کاموں کا خیال رہتا تھا، ابن حوقل نے لکھا ہے کہ دریائے دجلہ کے انتہائی دہانہ پر مہرابہ کے پاس ایک ایسا گرداب عظیم تھا جہاں جہاز ڈوب جایا کرتے تھے، ہارون رشید کی اہلیہ محترمہ زبیدہ نے اسے پٹوا دیا لکھا ہے۔

"زبیدہ نے اس گرداب کو پہلے کشتیوں کے ذریعے قابو میں لانے کا حکم دیا اور آخر میں مسلسل پتھر کی چٹانوں کو ڈال ڈال کر اس کو بھروا دیا، اور اب بحری سفر کے مسافر اس گرداب کی آفت سے محفوظ ہو گئے[2]"

کیا اب بھی حکمراں طبقہ میں یہ جذبہ باقی رہا؟ کون نہیں جانتا کہ اب دوسرے لوگوں کی طرح مسلمان حکمراں طبقہ میں بھی ذاتی منفعت کا خیال زیادہ پرورش پانے لگا ہے، اپنے معمولی نفع کے آگے رفاہِ عام کے کام کو پیچھے ڈال دیتے ہیں، اگر کوئی راستہ ایسا ہے جس سے حکمراں طبقہ کو جماعتی یا انفرادی طور پر گذرنا پڑتا ہے، تو اسے دیکھئے پختہ، صاف ستھرے اور ہر طرح اچھے نظر پڑیں گے، بخلاف اس کے عام گذرگاہ جن سے ان کو واسطہ نہیں جس حالت میں بھی ہوں، ان کو توجہ نہیں ہوگی۔

---

[1] ہزار سال پہلے ص ۲۰۷ [2] ایضاً ص ۲۱۵ بحوالہ ابن حوقل ص ۱۹۰